وقت ، قیمتی سرمایہ جو برف کی مانند پگھل رہا ہے

وقت اصل زر ہے، اسکے صحیح استعمال سے انسان اپنی قوتوں اور صلاحیتوں سے استفادہ کر کے دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کر سکتا ہے

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’2 چیزیں ایسی ہیں جن سے لوگ کما حقہ فائدہ نہیں اٹھاتے، ایک صحت اور دوسری فرصت و فراغت۔‘‘ (بخاری)۔

بے شک دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہدایت یعنی دین اسلام ہے۔اس نعمتِ ہدایت کیلئے ایک مسلمان دن میں کئی مرتبہ اپنے رب کریم سے دعائیں کرتا ہے:

’’اے اللہ! سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی فرما۔‘‘

قرآن کریم میں 2 جگہ اس دعا کا جواب ملتا ہے، ایک جگہ ارشاد ربانی ہے:

’’بے شک (یہ دین اسلام اور میرے بھیجے ہوئے رسول کا طریقہ) ہی صراط مستقیم (سیدھی راہ) ہے، اس دینِ حنیف اور صراط مستقیم پر چلو، اسے چھوڑ کر دوسرے راستوں پر مت بھٹکو ورنہ تم سیدھی راہ سے ہٹ جاؤ گے۔‘‘ (الانعام 153)۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

’’بے شک قرآن ہی ہے جو ایسی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھی راہ ہے اور اس راہ پر چلنے والے وہ مؤمن جو نیک عمل کرتے ہیں (یعنی قرآن کی رہنمائی میں زندگی گزارتے ہیں) ان کو یہ بشارت دی جاتی ہے کہ ان کیلئے بہت بڑا اجر ہے۔‘‘ (بنی اسرائیل 9)۔

یہ ہے اللہ کی سب سے بڑی نعمت! دین اسلام سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ دنیا کی دوسری بڑی نعمت کا نام وقت ہے۔ وقت ہی زندگی ہے۔ وقت ہی عمر ہے اور وقت ہی وہ مہلت ہے جو ہر انسان کو امتحان کیلئے دی گئی ہے۔ یہ سب ایک ہی حقیقت کے مختلف روپ ہیں۔ وقت ہی وہ قیمتی سرمایہ ہے جس سے دنیا کی ہر نعمت حاصل کی جا سکتی ہے لیکن دنیا کی ہر نعمت حاصل کر کے وقت کا ایک لمحہ بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا۔قرآن کریم میں وقت کی قدر و قیمت کو بڑے ہی عبرتناک انداز میں بیان کیا گیا ہے:

’’یہاں تک کہ جب ان لوگوں میں سے کسی کی موت آنے لگتی ہے تو وہ کہتا ہے اے میرے رب! مجھے اس دنیا کی طرف واپس لوٹا دے تاکہ واپس جا کر نیک عمل کر لوں، جواب ملے گا: ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، تمہاری آرزو بے سود ہے۔‘‘ (المومنون 99، 100)۔

کسی نے اس آیت مبارکہ کی کتنی خوبصورت ترجمانی کی ہے۔

اب پچھتائے کیا ہوت
جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

یہاں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ انسان کو جو وقت کا سرمایہ دیا گیا ہے، یہ عمل کیلئے ہے اور عمل بھی وہ جو دینِ ہدایت کے زمرے میں آتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بنائی ہی اسلئے ہے کہ وہ امتحان لینا چاہتا ہے کہ کون اچھے عمل کرتا ہے۔ جو لوگ وقت کے اس قیمتی سرمائے کو ضائع کر بیٹھے ہیں وہ مہلت ختم ہوتے وقت آرزو کریں گے کہ کاش ہمیں مزید مہلت مل جائے، کچھ وقت اور مل جائے تاکہ ہم اپنی حقیقی

ابدی زندگی کیلئے نیک اعمال کا سرمایہ جمع کرلیں لیکن ایسے لوگوں کو پچھتانے کے علاوہ کچھ نہ مل سکے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

''وہ کہے گا کاش! میں نے اپنی اس (حقیقی) زندگی کیلئے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔'' (الفجر 24)۔

جب انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلتِ عمل کو ضائع کرکے اپنے آخری انجام کو پہنچے گا تو وہ حسرت اور افسوس سے پچھتائیگا لیکن فائدہ کچھ نہ ہوگا۔ یہ دنیا دراصل دار الامتحان ہے اور اس امتحان گاہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو قوتیں، صلاحیتیں اور ذرائع و وسائل عطا فرمائے ہیں وقت ان میں اصل زر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسکی بہترین منصوبہ بندی اور صحیح استعمال ہی سے انسان دیگر قوتوں، صلاحیتوں اور وسائل سے استفادہ کرکے دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ یہ اصل زر برف کی طرح پگل کر ہر لمحے گھٹتا جارہا ہے جسکے متعلق خالق کائنات نے سورۃ العصر میں قسم کھا کر فرمایا:

''زمانے کی قسم انسان خسارے میں ہے۔''

یہ تیزی سے گزرنے والا وقت یا عصر کے وقت ڈھلتا سورج، اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ انسان نے اِس وقت کو لاپرواہی سے ضائع کردیا تو اسکی زندگی کا سورج اس حال میں غروب ہوگا کہ وہ کھلا دیوالیہ قرار پائیگا۔ یہی وہ سورۂ مبارکہ ہے جس میں انسان کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ اگر دنیا و آخرت کے خسرانِ مبین سے بچنا چاہتے ہو تو یہ 4 نکاتی لائحہ عمل ہے جو اختیار کرنا ناگزیر ہے۔ ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔ اس 4 نکاتی لائحہ عمل کے مطابق وقت کی صحیح منصوبہ بندی کرنے والے افراد اور گروہ ہی فلاح اور نجات سے ہم کنار ہوں گے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حکیم مطلق کے دیئے گئے نسخۂ شفاء اور شرائطِ نجات کی مختصر وضاحت کردی جائے۔

☆ دراصل جس ایمان کو فلاح دارین کیلئے بنیاد قرار دیا گیا ہے، یہ ایمان حقیقی ہے جسکی طرف نبی کریم ﷺ نے دعوت دی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات وصفات میں، اسکے حقوق واختیارات میں وحدہٗ لاشریک تسلیم کریں، اسکے ہر حکم کے سامنے جھک جائیں، اسکی مکمل وفاداری اختیار کریں، وہی نفع ونقصان کا مالک ہے، وہی دینے اور روکنے والا ہے، وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ اسکی ذات بھروسے کے لائق ہے۔

یہی وہ ایمان ہے جو زندگی کی کایا پلٹ دیتا ہے، جو رہزنوں کو رہبر اور چرواہوں کو دنیا کا قائد اور رہنما بنا دیتا ہے۔ یہ ایمان حقیقی دراصل اللہ تعالیٰ کیساتھ جان ومال کے سودے کا نام ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

بے شک اللہ نے اہل ایمان سے انکے مالوں اور جانوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔

☆ اس ایمان کے بعد شرائطِ نجات میں دوسری شرط ہے عمل صالح۔ ہر وہ عمل، عمل صالح ہے جو قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق انجام دیا جائے اور اس میں اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی نہ ہو۔ ایمان کے عملی تقاضوں کا نام ہی عملِ صالح ہے۔ بے شک ہر طرح کی کامیابی کا دارومدار اللہ تعالیٰ کے فضل پر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے کامیابی کو نیک اعمال سے مشروط کردیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا جب کشتی میں سوار نہ ہوا تو شفقتِ پدری کے سبب حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

یا اللہ میرا بیٹا! جواب آیا: یہ تمہارے اہل وعیال میں سے نہیں، اسلئے کہ اسکے اعمال اچھے نہیں۔

دنیا کی ہر چیز ہی موت کی ہچکی کیساتھ ہی انسان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ صرف عمل ہی ساتھ جاتا ہے۔ اچھا عمل قبر میں بھی اچھا ساتھی بن کر ڈھارس بندھائیگا اور حشر کے میدان میں بھی سختی اور مشقت سے بچائیگا، پل صراط سے آسانی سے گزرنے کا ذریعہ بھی بنے گا اور جہنم کی آگ سے نجات بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے عمل صالح کے ذریعے ہی حاصل ہوگی۔

☆ تیسری شرط ہے تواصی بالحق۔ حق کی بات کی دوسروں کو وصیت اور تلقین کرنا۔ دنیا کی سب سے بڑی حقیقت اور سچائی اللہ تعالیٰ کی وحدہ لاشریک ذات ہے جو "**الحق**" ہے۔ ہر مسلمان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ذاتِ حق کے اسماءُ الحسنیٰ کا فہم اور معرفت حاصل کرکے اور عبد ہونے کے ناطے اس معبودِ برحق کی بندگی اور عبادت کا حق ادا کرے۔ پھر اسی حق کی دوسروں کو تلقین اور تاکید کرے۔ اسی تلقین وتاکید کو امتِ مسلمہ کا فرضِ منصبی قرار دیا گیا ہے۔ تم بہترین امت ہو، تمہیں انسانوں کی فلاح اور اصلاح کی خاطر بہترین امت بنایا گیا ہے لہذا تم دوسروں کو معروف کا حکم کرو اور منکر سے منع کرو۔ بدقسمتی سے آج ہم مسلمانوں نے اس فرضِ منصبی کو بھلا دیا ہے۔ کچھ لوگ اسے صرف علماء اور اصحابِ علم وفضل کی ذمہ داری سمجھ کر جان چھڑا لیتے ہیں اور بعض اسے صاحب اقتدار کی ذمہ داری سمجھتے ہیں حالانکہ حضرت فاروقِ اعظم نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے خیر امت ہونے کیلئے 2 شرطیں عائد کردی ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر! تم میں سے جو کوئی ان شرطوں کو پورا نہیں کرتا اسکا خیر اُمت سے کوئی تعلق نہیں۔"

سوچنے کی بات ہے کہ خیر امت صرف علماء اور فضلاء ہی ہیں یا امت کا ہر فرد؟۔ ہاں یہ ذمہ داری حسبِ مراتب علم ومنصب اور حسب استطاعت ہی ہر فرد پر عائد ہوتی ہے لیکن امت کا کوئی فرد اس ذمہ داری سے مستثنیٰ نہیں جیسا کہ اللہ کے حبیب ﷺ کا ارشاد ہے:

"پہنچا دو میری طرف سے اگرچہ وہ ایک ہی آیت ہو۔"

جہاں خیر کی بات کو پھیلانا اور دوسروں تک پہنچانا ہمارا فرضِ منصبی ہے، وہاں منکر اور ناپسندیدہ اعمال اور غیر اخلاقی افعال سے روکنا اور منع کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داری بھی حسبِ مراتب ہر مسلمان پر عائد ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے امت کے افراد کو یہ ذمہ داری سونپی ہے اسی طرح مسلمان حکومتوں پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ قرآنی ہدایت کے مطابق حکومت کی سرپرستی میں ایسے ادارے قائم کریں جن کے افراد اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ ہوں، انکے پاس اختیار بھی ہو اور وہ دعوت وتبلیغ سے بھی، انذار وتبشیر سے بھی، حکومت کے وسائل سے بھی معروف کو پھیلائیں اور منکر کے خاتمے کی عملی سعی کریں، اشادِ ربانی ہے:

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کو اقتدار واختیار (حکومت) دے دیں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔" (الحج 14)۔